تصوف

ماہیت، منبع اور منہج

ڈاکٹر سید علم اشرف جائسی☆

حقیقت تصوف :

شریعت مطہرہ نے انسان کی صلاح وفلاح اور دنیا وآخرت میں اس کی کامیابی و کامرانی کے لیے اسے دو قسم کے احکام دیئے ہیں: اِن احکام کی ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کے جسم اور قالب سے ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق انسان کے روح وقلب سے ہے۔ پھر قلب وقالب دونوں سے متعلق احکام مزید دو دو قسموں میں منقسم ہیں: اوامر اور نواہی۔

جسم سے متعلق اوامر ہیں: نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ؛ نواہی ہیں: چوری، شراب نوشی اور زنا وغیرہ۔ اسی طرح قلب سے متعلق اوامر میں اللہ تعالیٰ، فرشتوں، رسولوں، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا وغیرہ شامل ہے۔ صدق وتوکل رضا اور شکر وغیرہ بھی اوامر قلبیہ کا حصہ ہیں۔ جبکہ قلب سے متعلق نواہی میں کفر، نفاق، کبر، بغض، ریا، حسد اور خود پسندی وغیرہ داخل ہیں۔

نجات کے لیے قلب وقالب دونوں کی اصلاح ضروری ہے، اور شرعا دونوں سے متعلق احکام کی بجا آوری مطلوب ہے۔ لیکن احکام قلبیہ- اوامر ہوں یا نواہی- اس حیثیت سے زیادہ اہم ہیں کہ انھیں پر جسم کے اعمال کی صحت وقبولیت کا دارومدار ہوتا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"إن فی الجسد مصغة إذا صلحت صلح الجسد كله، و إذا فسدت

☆ شعبۂ عربی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد، ۵۰۰۰۳۲۔

فسد الجسد كله، ألا وهي القلب" (۱)

(بلاشبہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر یہ درست ہے تو پورا جسم درست ہے اور اگر یہ فاسد ہے تو پورا جسم فاسد ہے، ہشیار رہو یہ ٹکڑا دل ہے۔)

جسم میں یہی وہ ٹکڑا ہے جو رب تعالیٰ کا محلّ نظر ہے، ارشاد نبوی ہے:

"إن الله لا ينظر إلى أجساد كم ولا إلى صور كم ولكن ينظر إلى قلوبكم" (۲)

(اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے نہ تمہاری صورتوں دیکھتا ہے، لیکن وہ تمہارا دل دیکھتا ہے۔)

لہٰذا دنیا میں اعمال کی صحت اور آخرت میں نجات دونوں کا دارمدار دل کی اصلاح پر ہے۔ اس سے قلب اور اس سے متعلق احکام دونوں کی غیر معمولی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں قلب سے متعلق احکام کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جسم کے برخلاف دل کے امراض وعیوب بہت خفیہ اور باریک ہوتے ہیں، جن کا علم وادراک بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ہم اپنے دل کے عیب کو ہنر اور نقص کو کمال سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً کوئی اپنے ٹوٹے ہوئے پیر کو صحیح نہیں سمجھتا، نہ ہی بخار اور سر درد کے شعور میں کبھی کوئی غلطی کرتا ہے، لیکن بے شمار لوگ ایسے ہیں جو تکبر کو عزت نفس، تملق کو احترام غیر، غیبت کو حق گوئی، اہانت ذات کو تواضع، بزدلی کو حزم واحتیاط، تہور کو شجاعت اور بخل کو اقتصاد سمجھتے ہیں۔

تزکیہ نفس اور تصفیہ اخلاق کے ذریعے دل کے تمام عیوب وامراض حتی کہ وساوس وخطرات کو بھی دور کیا جاسکتا ہے۔ اور دل سے متعلق احکام کی اچھی طرح سے بجاآوری کی جاسکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"قد أفلح من زكها" (الشّمس:۹) یعنی کامیاب وہ ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا۔

تصوف اسی تزکیہ نفس اور تصفیہ اخلاق کا نام ہے، جس کے ذریعے انسان اپنے ظاہر و باطن کی تعمیر کرسکتا ہے، تاکہ وہ ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہوسکے۔ قاضی زکریا انصاری متوفی ۹۲۹ھ، تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''التصوف: علم تعرف به أحوال تزكية النفوس وتصفية الأخلاق و

تعمیر الظاهر و الباطن لنیل السعادة الأبدیة" (۳)

(تصوف ایسا علم جس کے ذریعے نفوس کے تزکیہ، اخلاق کی صفائی اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال کو جانا جاتا ہے، تاکہ ابدی خوش بختی حاصل ہو سکے۔)

مختصر یہ کہ اعمال کا دار و مدار قلب پر ہے، اور وہی رب تعالیٰ کا محل نظر ہے، پھر قلب کی صلاح و فلاح تزکیہ پر موقوف ہے اور تزکیہ کے قواعد و وسائل کی معرفت تصوف سے ہوتی ہے۔ لہذا ان واضح اور یقینی مقدمات سے ہم اس واضح اور یقینی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ :تصوف کی ضرورت و اہمیت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

منبع تصوف:

دین کے تمام شعبوں کی طرح تصوف و تزکیہ کا منبع بھی منبع رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے، بلکہ قرآن کریم تو تزکیہ کو انکی بعثت کا مقصد قرار دے رہا ہے:

"لقد من الله على المومنين إذبعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة" (آل عمران:۱۶۴)

(بیشک اللہ تعالی نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے، انکا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔)

تزکیہ ہی کی طرح تصوف کے جملہ اصول وفروع کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔ تصوف اور علم تصوف میں تمیز نہ کرنے والے حضرات زبردست غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں اور اکثر یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ یہ عہد صحابہ میں کیوں نہ تھا؟ اگر ان کی مراد علم تصوف ہے تو بلاشبہ یہ قرون اولی میں نہیں تھا نہ اس وقت اس کی ضرورت تھی، بلکہ علم تفسیر اور دیگر علوم قرآن، علم حدیث، علم توحید وکلام اور علم فقہ واصول وغیرہ کوئی بھی علم اس مبارک ومسعود عہد میں نہیں تھا، اور نہ ان کی ضرورت تھی۔ اور اگر مراد تصوف ہے تو بلا شک وشبہ یہ اس عہد میں موجود تھا۔ خود مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام کا تزکیہ فرماتے تھے اور انھیں مجاہدۂ نفس یا ''جہاد اکبر'' کی تربیت دیتے تھے۔

شیخ محمد صدیق محدث غماری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أما أول من أسس الطريقة فلتعلم أن الطريقة أسسها الوحی السماوی فی جملة ما أسّس من الدين المحمدی، إذهی بلا شك مقام الإحسان الذی هوأحد أركان الدين الثلاثه التی جعلها النبی صلی الله عليه وآله وسلم ، بعد مابينها واحدا واحدا ، دينا بقوله: "هذا جبريل عليه السلام أتاكم يعلمكم دينكم " وهوالإسلام والإيمان والإحسان. فالإسلام طاعة وعبادة والإيمان نورو عقيده، والإحسان مقام مراقبة و مشاهدة"۔ (۴)

(رہا یہ کہ تصوف کی بنیاد کس نے ڈالی تو جان لو کہ اس کی بنیاد وحی آسمانی نے ڈالی ہے جس طرح کہ دین محمدی میں ہر چیز کی بنیاد وحی آسمانی نے ڈالی ہے۔ بلاشبہ تصوف وہی ہے جسے (حدیث شریف میں) احسان کہا گیا ہے۔ احسان دین کے تین ارکان میں سے ایک رکن ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک کر کے بیان کیا اور انھیں دین قرار دیا، بایں طور کہ فرمایا: ''یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے''۔ یہ تینوں ارکان اسلام، ایمان اور احسان ہیں۔ اسلام: اطاعت وعبادت ہے، ایمان: نوروعقیدہ کا نام ہے، اور احسان: مقام مراقبہ ومشاہدہ ہے۔)

حدیثِ جبریل:

شیخ غماری نے جس حدیث شریف کی طرف اشارہ کیا ہے اور جسے انھوں نے تصوف کی بنیاد قرار دیا ہے، اصطلاح میں یہ حدیثِ جبریل کے نام سے مشہور ہے یہ حدیث نہ صرف تصوف بلکہ شریعت مطہرہ کی ایک اہم اصل ہے۔ یہ ایک صحیح ومشہور حدیث ہے۔ بے شمار اصحاب صحاح وسنن وآثار ومصنفات ومسانید نے اس کی روایت کی ہے۔ چونکہ یہ حدیث اہل تصوف کا بنیادی ماخذ ہے اور بقول صاحب فتح الباری یہ ''بغیۃ السالکین، کنز العارفین اور عمدۃ الصدیقین'' ہے، لہٰذا اسے قدرے تفصیل سے ذکر کیا جارہا ہے۔

امام مسلم اپنی الجامع الصحیح میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''بين نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، إذ طلع علينا رجل شد يد بياض الثياب، شديد سواد الشعر، لايرى عليه أثر السفر ، و لا يعرفه منا أحد، حتى جلس إلى النبى (صلى الله عليه وآله سلم) فأسند ركبتيه

إلى ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه، وقال يا محمد! أخبرني عن الإسلام؟ فقال رسول الله:" الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، و تقيم الصلاة، و توتي الزكاة، و تصوم رمضان، و تحج البيت إن استطعت إليه سبيلا" قال: صدقت، قال: فعجبنا له يسأله ويصد قه، قال: فأخبرني عن الإيمان؟ قال: "أن تومن بالله، وملائكته، و كتبه، ورسله، واليوم الآخر، وتومن بالقدر خيره و شره"، قال: صدقت، قال: فأخبرني عن الإحسان؟ قال: "أن تعبد الله كانك تراه فإن لم تكن تراه فانه يراك"، قال فأخبرني عن الساعة؟ قال: "ماالمسؤل عنها بأعلم من السائل"، قال فأخبرني عن أمارتها؟ قال: "أن تلدالأمة ربتها، وأن ترى الحفاة العراة، العالة، رعاء الشاء، يتطاولون في البنيان"، قال: ثم انطلق ، فلبثت مليا، ثم قال لي: "يا عمر ! أتدري من السائل؟" قلت : الله ورسوله أعلم، قال: "فإنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم" (۵)

(ایک دن ہم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں تھے کہ ہمارے درمیان ایک شخص آیا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال خوب کالے تھے نہ تو اس پر سفر کا کوئی اثر تھا نہ ہم میں سے کوئی اس سے واقف تھا۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا بایں طور کہ اس نے اپنے گھٹنوں کو حضور کے گھٹنوں سے ملا دیا اور اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیا۔ اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے فرمایا کہ: ''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو حج کرو''۔ اس شخص نے کہا: آپ نے سچ فرمایا: راوی (حضرت عمر) کہتے ہیں کہ: ہمیں اس شخص سے بہت تعجب ہوا کہ خود سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے، پھر اس شخص نے پوچھا مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟ فرمایا: ''کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر، یوم آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر''۔ اس شخص نے کہا: آپ نے صحیح فرمایا، اور کہا کہ: مجھے احسان کے بارے میں بتایئے؟ فرمایا کہ ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو

گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو (یہ یقین رہے کہ) وہ تمھے دیکھ رہا ہے'' اس شخص نے کہا: مجھے قیامت کے بارے خبر دیجئے؟ فرمایا: ''جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا''۔ اس شخص نے عرض کیا: اچھا تو پھر اس کی نشانیوں کے بارے میں مطلع کیجئے؟ فرمایا: ''کہ باندی اپنی مالکن کو پیدا کرے گی، اور تم دیکھو گے کہ برہنہ پا و برہنہ بدن، دوسروں پر گزارا کرنے والے، بکریاں چرانے والے، کوٹھیوں میں اترائیں گے''۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلے گئے، میں کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟'' میں نے عرض کیا: اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ جبریل (علیہ السلام) تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے''۔) یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمارہ ابن قعقاع اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر روایتوں میں "أن تعبد الله" ہی آیا ہے البتہ بعض روایتوں میں "أن تعمل لله" (٦) (اللہ کے لیے یوں عمل کرو...) اور بعض دوسری روایتوں میں "أن تخشى الله" (٧) (اللہ سے ایسا ڈرو...) وارد ہوا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علماء و محدثین نے بڑے ایمانی و عرفانی نکات بیان کئے ہیں۔ ان سب سے قطع نظر یہاں صرف ایک بات عرض کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے ایک نہایت مہتم بالشان امر کا بیان کروا رہا ہے، ارکان دین متین کی وضاحت کروا رہا ہے، لہٰذا اس مہتم بالشان امر کے شایان شان اہتمام بھی کیا جا رہا ہے، حضرت جبریل کو سائل بنا کر بھیجا جا رہا ہے تا کہ حدیث شریف میں بیان کردہ امور کی قدر و شان کا اندازہ ہو سکے۔ اس حدیث میں حضرت جبریل نے تین سوالات کئے: اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ اور احسان کیا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سوالوں کے جواب مرحمت فرمائے اور پھر فرمایا کہ: ''یہ جبریل تھے جو تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے''۔ اس طرح یہ حقیقت آفتاب نیم روز کی طرح واضح، اور اس امر میں ظاہر بلکہ نص ہے کہ ایمان، اسلام اور احسان دین محمدی کے تین ارکان ہیں جن میں سے کسی ایک کے بغیر دین مکمل نہیں ہے۔ اور کسی ایک کا بھی انکار دین کا انکار ہے۔

احسان وتصوف:

حدیث جبریل میں جیسے احسان کہا گیا ہے بعد میں اسی کا نام تصوف ہوگیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: احسان یہ ہے کہ ''أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك ''یعنی خدا کی بندگی یوں کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اس کا مشاہدہ کررہے ہو، اور اگر تمہیں یہ مقام ومرتبہ حاصل نہ ہوتو کم از کم یوں اس کی بندگی کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پہلا مرحلہ مرحلۂ مشاہدہ ہے جو اعلی درجے کا ہے یہی تصوف کی منزل ہے، یہی سالکین طریقت کی منہائے آرزو ہے۔ اور دوسرا مرحلہ مرحلۂ مراقبہ ہے یعنی اس تصور کے ساتھ عبادت کرو کہ تمہاری نگرانی ہورہی ہے۔ اور مراقبے کا یہ مسلسل تصور کبھی بھی اخلاص کو ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔ تصوف انھیں دونوں مرحلوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے کہ تصوف نام ہے سلوک اور وصول کا، صوفی یا تو سالک ہوتا ہے یا پھر واصل ہوتا ہے۔ سلوک: راستہ (طریقت) ومراقبہ ہے، اور وصول: منزل ومشاہدہ ہے۔

شارح مسلم امام نووی، ابوزکریا یحی بن شرف متوفی ۶۷۶ھ، فرماتے ہیں کہ:

"قوله صلى الله عليه وسلم: (الإحسان أن تعبد الله كانك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك) هذا من جوامع الكلم التى أوتيها صلى الله عليه وسلم، لأنا لو قدرنا أنّ أحد نا قام فى العبادة و هو يعاين ربه سبحانه تعالى لم يترك شيئاً ممايقدر عليه من الخضوع و الخشوع و حسن الصمت"۔ (۸)

(اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ: ''احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر اسے نہ دیکھ سکو تو یوں گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے''۔ یہ ان جوامع الکلم میں سے ہے جو آپ اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کئے گئے ہیں۔ اس لئے کہ اگر ہم اندازہ کریں کہ ہم سے کوئی اس حال میں عبادت کے لیے کھڑا ہوا ہے کہ وہ اپنے رب سبحانہ تعالی کا مشاہدہ کررہا ہو، تو وہ خضوع وخشوع اور جمالِ سکینۂ ووقار میں سے حسب مقدور کوئی چیز ترک نہیں کرسکتا ہے۔)

اس حدیث کی اہمیت اور جامعیت کا اندازہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جسے امام نووی نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"وهذا الحديث قد اشتمل على شرح جميع وظائف العبادات الظاهرة والباطنة من عقود الإيمان و أعمال الجوارح وإخلاص السرائر ، و التحفظ من آفات الأعمال حتى أن علوم الشريعة كلها راجعة إليه، و متشعبة منه، قال: وعلى هذا الحديث وأقسامه الثلاثه ألفنا كتابنا الذى سميناه بالمقاصد الحسان فيما يلزم الإنسان، إذ لا يشذ بشئ من الواحبات و السنن والرغائب و المحظورات و المكروهات عن أقسامه الثلاثه والله أعلم" ۔(۹)

(یہ حدیث شریف ایمان کے ارکان، اعضاء کے اعمال، باطن کے اخلاص اور عمل کی آفتوں سے حفاظت غرض یہ کہ جملہ اعمال ظاہر و باطن کے شرح وبیان پر مشتمل ہے۔ یہ تمام شرعی علوم کی اصل ہے اور سارے علوم اس کی شاخیں ہیں۔ ہم نے اس حدیث میں مذکور تینوں ارکان دین پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "المقاصد الحسان فيما يلزم الانسان" رکھا ہے، کیونکہ واجبات، سنن، مستحبات، ممنوعات اور مکروہات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ان تینوں قسموں سے باہر ہو۔)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، حدیث جبریل میں مذکور احسان اور اس کی تعریف کو دین کا رکن رکین اور تصوف کی اصل متین قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

"وهذا القدر من الحديث الشريف أصل عظيم من أصول الدين وقاعدة مهمة من قواعد المسلمين ۔ وهو عمدة الصديقين، و بغية السالكين، و كنز العارفين، ودأب الصالحين ۔ وهو من جوامع الكلم التى أوتيها رسول الله صلى الله عليه وسلم" ۔ (۱۰)

(حدیث شریف کا یہ حصہ (أن تعبد الله كانك...) دین کے اصول میں سے ایک عظیم اصل ہے اور مسلمانوں کے قاعدوں میں سے ایک اہم قاعدہ ہے۔ یہ صدیقین کا معتمد علیہ، سالکین طریقت کا ہدف ومقصد، عارفین باللہ کا خزانہ اور صالحین کا طریقہ ہے۔ یہ ان جوامع الکلم میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے گئے ہیں۔)

نووی وعسقلانی رحمہما اللہ کی طرح تمام علمائے حق کا اجماع ہے کہ حدیث جبریل میں مذکور احسان- جو دین کے تین رکنوں میں سے ایک رکن ہے-تصوف ہی ہے۔ اور

مرتبۂ احسان کا حصول علم تصوف کے ذریعے ہی ہوتا ہے، کیونکہ جیسے دین کے رکن اول ایمان کی تفسیر علم کلام نے کی ہے، رکن ثانی کی تفصیل و بیان کا کام فقہ نے کیا ہے، ویسے ہی رکن اخیر یعنی احسان کی شرح وبسط اور اس کی عقدہ کشائی کا عمل علم تصوف نے انجام دیا ہے۔ اور ان تینوں کا مصدر و منبع رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات وستودہ صفات ہے، ان کی لائی ہوئی کتاب ہے، ان کی سنت وسیرت ہے، اور ان کی تعلیم وہدایت ہے۔

ذیل میں تصوف کے عملی منہج کے اہم اور ضروری عناصر کے ساتھ ساتھ سلوک الی اللہ کے چند احوال و مقامات کا کتاب وسنت سے ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔ تاکہ تصوف پر عجمیت کا بہتان لگانے والی یا اسے عیسائیت، بدھزم یا ہندومت سے ماخوذ قرار دینے والی نام نہاد ''دانشوری'' کو مجال سخن نہ رہے۔ واضح رہے کہ یہ ایک محدود سرسری جائزہ ہے، جس میں نہ پورے نظام تصوف کا احاطہ ممکن ہے، اور نہ سارے احوال و مقامات کے ذکر کی گنجائش ہے۔ یہاں تو صرف اس بات کا اثبات مطلوب ہے کہ جس طرح اصل تصوف یعنی احسان کا مصدر سنت نبویہ ہے، اسی طرح اس کے تمام اہم فروع اور سلوک الی اللہ کے تمام مراحل اور احوال و مقامات کا منبع بھی کتاب وسنت ہے۔ لہٰذا مقالے میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ نہ منطقی دلائل پیش کئے جائیں نہ عقلی حجتوں سے تعرض کیا جائے، نہ فقہی، کلامی، تفسیری اور تاریخی روایتوں پر اعتماد کیا جائے اور نہ صوفی یا غیر صوفی کسی بھی غیر معصوم کے قول کو سند بنایا جائے، بلکہ صرف اور صرف حجتِ معصومہ پر اکتفاء کیا جائے۔ محض اللہ عزوجل کی کتاب اور سنت صحیحہ ثابتہ کو ہی دلیل بنایا جائے۔ تاکہ یہ ایک طرف اہل تصوف کے لیے حجت ہو اور دوسری طرف معارضین تصوف کے لئے عبرت ونصیحت ہو۔

منہج عملی

۱- صحبت:

صالحین کی صحبت سالکین طریقت کی پہلی منزل ہوتی ہے، حکم ربانی ہے:

"یاایھا الذین آمنو ااتقواللہ و کونوامع الصادقین" (التوبۃ:۱۱۹)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔)

صحبت کی اہمیت وضرورت کا بیان، سورۃ الاحزاب: ۲۳، الکہف: ۲۸، ۶۶، ۶۷، لقمان: ۱۵، الفرقان: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۵۹، اور الزخرف: ۶۷، میں بھی ہوا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحبت کے اثرات کو لازمی قرار دیتے ہوئے بے حد دلکش اور یقین افروز مثال پیش فرماتے ہیں:

"إنما مثل جليس الصالح و جليس السوء كحامل المسك و نافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك، وإما أن تبتاع منه، وإما أن تجد منه ريحا طيبة، و نافخ الكير، إماأن يحرق ثيابك و إما أن تجد منه ريحا منتنة"(۱۱)

(اچھے اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک رکھنے والا، اور لوہار کی دھونکنی دھونکنے والا، مشک رکھنے والا یا تو تمھیں ہدیہ دے گا یا تم اس سے خریدو گے یا اس سے اچھی خوشبو پاؤ گے، اور دھونکنی والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم اس سے بری بدبو پاؤ گے۔)

یعنی صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے چنانچہ اچھوں کی صحبت سے فائدہ ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ اسی طرح بروں کی صحبت سے نقصان ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ۔ بلکہ ایک دوسری حدیث میں تو آپنے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ لوگ اپنے دوستوں کے عقیدہ و مذہب پر ہوتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الرجل على دين خليله فلينظر أحد كم من يخالل"(۱۲)

(ہر شخص اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے لہٰذا تم سے ہر ایک غور کرے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔)

۲- بیعت:

سالک وصوفی ابتدائے سلوک میں شیخ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھام کر نیکیوں کے التزام اور گناہوں کے اجتناب کا عہد کرتا ہے۔ اسی عہد کا نام بیعت ہے۔ تصوف میں اس کی بے حد اہمیت ہے۔ اس بیعت کی ضرورت اور اس کا مقصد وطریقہ سب کچھ کتاب و سنت سے ماخوذ ہے۔

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

"إن الذين يبايعونك إنما يبا يعون الله، يد الله فوق أيد يهم، فمن نكث فإنما ينكث على نفسه، و من أوفى بما عاهد عليه الله فسيؤتيه أجرا عظيما" (الفتح:۱۰)

(جولوگ آپ کی بیعت کررہے ہیں درحقیقت وہ اللہ کی بیعت کررہے ہیں،اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے،تو جس نے بیعت کوتوڑا اس کا وبال اسی پر ہوگا اور جس نے اللہ سے کئے گئے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی بڑا اجر دے گا۔)

سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں اخذ بیعت اور حصول عہد کی متعدد صورتیں ملتی ہیں،جیسے مردوں کی بیعت ،عورتوں کی بیعت،فرد واحد کی بیعت ، پوری جماعت کی بیعت وغیرہ، یہاں تک کی نابالغ بچوں کی بیعت بھی سنت صحیحہ میں ملتی ہے۔

امام بخاری علیہ رحمۃ الباری متوفی ۲۵۶ھ،حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں کہ،ارشاد نبوی ہے:

"بايعوني على أن لاتشركوا بالله شيئاً ، و لا تزنوا، ولا تقتلوا أولادكم ولاتأ توا ببهتان تفترونه بين أيد يكم وأرجلكم، ولا تعصوا في المعروف، فمن وفّى منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلك شيئاً فعوقب في الدنيا فهو كفارة له، ومن أصاب من ذلك شيئاً ثم ستره الله فهوإلى الله إن شاء عفا عنه و إن شاء عاقبه، فبا يعناه على ذلك" (۱۳)

(اس شرط پر میری بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کروگے، زنا نہیں کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے، بہتان کے ذریعے کھلی افتراء پردازی نہیں کروگے، بھلائی میں نافرمانی نہیں کروگے۔ پس تم میں سے جو بھی عہد کو پورا کرے گا اس کی جزاء اللہ کے ذمہ ہے،اور جس سے ان میں سے کوئی چیز سرزد ہوگئی پھر دنیا میں اسے سزا مل گئی تو وہ سزا اس کے لیے کفارہ ہوگی،اور جس سے ان میں سے کوئی گناہ سرزد ہوا پھر اللہ نے اسے پوشیدہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے گا تو معاف کردے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ پھر ہم نے اسی پر آپ کی بیعت کی۔)

۳- مجاہدہ:

جہاد کی طرح مجاہدہ بھی فعل: ''جاھد/ یجاھد'' کا مصدر ہے: جیسے ''عاقب/ یعاقب/ معاقبۃ وعقابا''، البتہ عام استعمال میں مجاہدہ: جہاد بالنفس کے لیے، اور جہاد: ظاہری دشمن سے مجاہدہ بالسلاح کے لیے بڑی حد تک مخصوص ہوگیا ہے۔لیکن اصل معنی کی رعایت میں دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی خوب استعمال ہوتے ہیں۔مجاہدے کی تین قسمیں ہیں:۱- ظاہری دشمن سے مجاہدہ،۲- شیطان سے مجاہدہ اور۳-نفس سے مجاہدہ۔اور مجاہدے کی یہ تینوں قسمیں شرعاً مطلوب ہیں لیکن آخر الذکر یعنی مجاہدۂ نفس کو بقیہ دونوں قسموں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ جو لوگ مجاہدۂ نفس کی منزل سے گزر چکے ہوتے ہیں وہی صحیح معنوں میں ظاہری دشمن سے مجاہدے (جہاد) کا حق ادا کر سکتے ہیں۔اسی لیے مجاہدۂ نفس کو ''جہاد اکبر'' کہا گیا ہے۔آج امت اسلامیہ غیر مزکی نفوس کے جہاد سے جس قدر آزردہ اور جس طرح اقوام عالم کے سامنے مہتم ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔اگر گزشتہ ۲۰/۲۵ سالوں میں ان نام نہاد مجاہدوں کی ''پروگریس رپورٹ'' دیکھئے تو ان کے ہاتھوں سے مرنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں کی تعداد سے ہزاروں گناہ زیادہ ہے صرف ایک الجزائر میں لاکھوں مسلمانوں اس ''جہادی جنون'' کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان مظلوموں کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ ائمہ کی تقلید کرتے تھے اور تصوف کی تائید کرتے تھے۔

مجاہدۂ نفس بھی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ " و جاھدوا فی اللہ حق جھادہ " (الحج:۷۸) یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حکم ہے۔اور آیت کریمہ: "و جاھدوا بأموالکم و أنفسکم فی سبیل اللہ " (التوبۃ:۴۱) یعنی اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، ان آیتوں میں ظاہری دشمن، شیطان اور نفس تینوں سے جہاد شامل ہے۔یعنی یہ آیتیں جہاد کی تینوں قسموں کا احاطہ کئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب جہاد کی تین قسمیں ہیں تو کتاب وسنت میں جہاں جہاں جہاد کا حکم ہوگا اس میں یہ تینوں قسمیں داخل ہوں گی ہاں اگر کسی آیت یا حدیث میں ایسا کوئی قرینہ ہو جو اسے ایک ہی قسم میں محدود کر دے تو وہاں قرینے کے مطابق جہاد کی وہی مخصوص

قسم مراد ہوگی۔ مثلاً اگر قتال کے شروع ہونے سے قبل اور جہاد بالسیف کا حکم آنے سے پہلے کسی آیت میں جہاد کا حکم ہے تو یہ ایک قرینہ ہے کہ یہاں جہاد سے مراد مجاہدۂ نفس ہے: جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهِدُوا فِيْنَا لنَهْدِ يَنّهُمْ سُبُلَنَا " (العنکبوت:٦٩)

(جنھوں نے ہماری رضا کی طلب میں مجاہدہ کیا ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔)

یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور قتال کا حکم مدینے میں فرض ہوا لہٰذا یہ بات طے ہے کہ آیت میں مجاہدے سے مراد مجاہدۂ نفس یا مجاہدۂ شیطان ہے۔ مفسرین کرام نے بھی اس کی تائید کی ہے، امام قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد متوفی ۶۷۱ھ، فرماتے ہیں:

"قال السدی وغیرہ إن ھذہ الآیة نزلت قبل فرض القتال" (۱۴)

(امام سدی اور دوسرے ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت جہاد کی فرضیت سے قبل نازل ہوئی۔)

شیخ ابومحمد عبدالحق اندلسی متوفی ۵۴۶ھ، اپنی کتاب ''المحرر الوجیز فی تفسیر کتاب اللہ العزیز'' میں فرماتے ہیں کہ آیت میں جہاد و مجاہدہ سے مراد ہے:

"مجاھدة النفس فی طاعة اللہ عزوجل وھو الجھاد الأکبر" (۱۵)

(اللہ کی اطاعت میں نفس سے مجاہدہ کرنا ہے، اور وہی جہاد اکبر ہے۔)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، فرماتے ہیں:

"أی من جاھد بالطاعة ھداہ سبل الجنة" (۱۶)

(جس نے اطاعت و بندگی کے ساتھ مجاہدہ نفس کیا تو اللہ نے جنت کے راستوں کی جانب اس کی ہدایت کی۔)

علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ، لکھتے ہیں کہ:

"قال ابن عطا: أی الذین جاھدوا فی رضانا لنھدینھم إلی محل رضانا" (۱۷)

(ابن عطا فرماتے ہیں کہ اس آیت کا معنی ہے کہ جن لوگوں نے ہماری رضا کے

حصول کے لیے مجاہدہ نفس کیا ہم انھیں مقام رضا تک ضرور پہنچائیں گے۔)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مجاہدہ نفس کو جہاد کی تینوں قسموں میں سب سے افضل قرار دیا ہے۔اور اپنی امت کو اس کی ترغیب دی ہے۔ارشاد فرماتے ہیں:

"الجاهد من جاهد نفسه فی الله " (حقیقی مجاہد وہ ہے جو راہ خدا میں مجاہدۂ نفس کرے۔) امام ترمذی نے کتاب فضائل الجہاد میں اس کی تخریج کی ہے اور فرمایا ہے:

"حديث حسن صحيح "۔ (۱۸)

بعض روایتوں میں 'للہ' یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مجاہدۂ نفس کرے، بھی آیا ہے۔(۱۹)

۴- ذکر:

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے کبھی یہ کتاب اللہ کے معنی میں آیا ہے(إنا نحن نزلنا الذكر)،کبھی نماز جمعہ کے لیے استعمال ہوا ہے(فاسعوا إلى ذكر الله)،تو کبھی علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے(فاسألوا أهل الذكر)لیکن بایں ہمہ کتاب اللہ میں اس لفظ کا غالب استعمال اسی معنی میں ہوا ہے جس معنی میں اہل تصوف کے یہاں یہ لفظ رائج ہے۔یعنی تسبیح وتہلیل وتکبیر وحمد وثنا اور درود وسلام وغیرہ،ارشاد ربانی ہے:

"يا أيها الذين آمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا وسبحوه بكرة وأصيلا" (الاحزاب:۴۱،۴۲)

(اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کیا کرو)

اس کے علاوہ بے شمار آیات میں ذکر الٰہی کی اہمیت،فضیلت اور ثمرات کا ذکر ملتا ہے مثلاً: البقرہ:۱۵۲،ال عمران ۴۱،۱۹۱،الاحزاب ۳۵،الرعد: ۲۸،البقرہ:۱۱۴،النور،۳۶، ۳۷،المنافقون:۹،اور الاحزاب:۳۵،وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہم سنت نبوی کی طرف دیکھیں تو اس میں تصوف کا ''ذکر'' (یاد کرنا) بھی ملتا ہے ''تذکیر'' (یاد کرانا) بھی ملتی ہے،''مذاکرہ'' (شیخ پر احوال قلب کو پیش کرنا) بھی ملتا ہے اور ''حلقہ ہائے ذکر'' کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

۱- ذکر:

مذکر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"مثل الذی یذکر ربه والذی لایذکر ربه مثل الحی والمیت" (۲۰)
(اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ)

یعنی ذکر کرنے والا ہی حقیقت میں زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے، شاید اسی لیے تصوف میں ذکر الٰہی کو روح کی غذا کہتے ہیں جس کے بغیر روح زندہ نہیں رہتی ہے۔

ب: تذکیر:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وذکر فإنّ الذکری تنفع المومنین" (الذاریات:۵۵)
(یاد کرایئے اس لیے کہ یاد کرانا مومنین کو منع نفع پہنچاتا ہے)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی متعدد مقام پر تذکیر کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اس کا شوق دلایا ہے۔ حدیث قدسی "أنا عند ظن عبدی بی" (میں اپنے بندے سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے) میں اللہ رب العزت جل جلالہ فرماتا ہے: "وإن ذکرنی فی ملأ ذکرته فی مَلأ خیرمنه" (اگر میرا بندہ ایک گروہ میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر گروہ میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور مجمعے میں ذکر الٰہی کرنا، یا لوگوں کو ذکر سنانا اور انھیں ذکر کرانا یہ سب تذکیر ہے۔

ج- مذاکرہ:

اہل ذکر سے سوال واستفسار مذاکرہ کہلاتا ہے، آیت: "فاسألوا أهل الذکر إن کنتم لا تعلمون" (الفرقان:۵۹) اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: "المستشار مؤتمن" (۲۲) یعنی مشورہ کرنے والا ماموں رہتا ہے، مذاکرے کو بھی شامل ہیں۔ مذاکرہ سالک کا اپنے شیخ سے مشورہ ہی ہوتا ہے۔

امام مسلم بن حجاج نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ، اپنی الجامع الصحیح، کتاب التوبہ میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے ملے تو پوچھا کہ: اے حنظلہ کیسے ہو؟ میں نے کہا کہ: حنظلہ تو منافق ہو گیا، کہا: سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب ہم رسول اللہ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی تذکیر (یاد) کراتے ہیں تو ایسا لگتا ہے

کہ ہم انھیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے نکلتے ہیں تو ہم بیوی بچوں اور روزی میں لگ جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے بھی اس طرح پیش آتا ہے۔تو ہم دونوں چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور میں نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا،فرمایا کہ: وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت ودوزخ کی یاد کراتے ہیں تو لگتا ہے کہ ہم انھیں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں،اور جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو گھر والوں اور کاروبار میں لگ جاتے ہیں اور بیشتر باتیں فراموش کردیتے ہیں،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔اگر تم لوگ جس حالت میں میرے پاس اور ذکر کے وقت ہوتے ہو اسی پر ہمیشہ باقی رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کرنے لگیں،لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی بات ہوتی (یہ تین بار فرمایا)''(۲۳)

الحمد للہ کہ اس حدیث شریف میں ذکر، تذکیر اور مذاکرہ تینوں کا ثبوت موجود ہے۔حضرت حنظلہ نے اپنے دل کے خیالات کو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جس طرح جواب مرحمت فرمایا۔اس کو تصوف میں مذاکرہ کہتے ہیں۔

د- حلقۂ ذکر:

حلقۂ ذکر کا انعقاد صوفیاء کے معمولات کا اہم حصہ ہے۔اس کا مرجع بھی نبوی تعلیمات ہیں۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمایا:

"إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا" ، قالوا: و ما رياض الجنة ؟ قال: "حلق الذكر" (۲۴)

(جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو چرلیا کرو یعنی اس سے استفادہ کرلیا کرو، عرض کیا یارسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہے؟ فرمایا حلقہ ہائے ذکر۔)

امام ترمذی رحمہ اللہ کی تخریج کردہ یہ حدیث جسے انھوں نے ''حسن'' کہا ہے، نہ صرف حلقۂ ذکر کی غیر معمولی اہمیت کی دلیل ہے بلکہ اس میں حلقہ ذکر میں شرکت کرنے کی زبردست ترغیب بھی ہے۔ اسی طرح ذکر الٰہی کی تمام دوسری قسمیں جیسے: سری و جہری، لسانی قلبی، حرکی وسکونی، فردی واجتماعی وغیرہ تمام معمولات صوفیا کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔

۵- خلوت:

تصوف میں خلوت کی بڑی اہمیت ہے۔ ظاہر بیں لوگ اسے صوفیا کی بدعت سمجھتے ہیں لیکن صوفیائے کرام اس کا التزام اپنے رب کی اطاعت اور اس کے حکم کی بجا آوری میں کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

"واذكر اسم ربك و تبتّل إليه تبتيلا" (المزمل:۸)

(اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور پوری طرح سب سے علاحدہ ہوکر اسی کے ہوجایئے۔)

اس آیت میں خطاب اگر چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، لیکن اس میں موجود خلوت کا حکم سبھی کے لیے عام ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی حکم دیا جائے لیکن آپ کے ساتھ اس کے مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو پوری امت سے اس حکم کی بجا آوری مطلوب ہوتی ہے۔

حکم ربانی کی پیروی کے ساتھ ساتھ صوفیاء کی خلوت نشینی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے اتباع میں ہوتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "جاورت بحراء شهرا" (۲۵) یعنی میں نے ایک ماہ غار حرا میں خلوت نشینی کی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کی ابتدا سوتے وقت رویائے صالحہ سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ دن کی مانند واضح طور پر پیش آتا تھا۔ مزید فرماتی ہیں کہ:

"ثم حبب إليه الخلاء ويخلو بغار حراء، فيتحنث فيه ــ وهو التعبد ــ الليالي ذوات العدد" (۲۶)

(پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب کر دی گئی، اور آپ کئی کئی رات غار حراء میں خلوت نشیں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔)

ب - احوال مقامات

۱- توبہ:

شرعاً قابل مذمت سے لائق ستائش کی طرف رجوع کرنے اور لوٹنے کا نام توبہ ہے۔ارشاد ربانی ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْ اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا (التحریم:۸)

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے سچی اور کھری توبہ کرو۔)

توبہ واستغفار کا ذکر قرآن میں جا بجا ملتا ہے۔ یہ قلب سالک کا پہلا مقام ہے لہٰذا تصوف میں توبہ کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ صحیح توبہ پر ہی سلوک کی اگلی منزلوں کا دار و مدار ہوتا ہے۔ چنانچہ صوفیا کے یہاں توبہ کا بہت اہتمام ملتا ہے، اور اسے فاتح باب سلوک مانا جاتا ہے۔خود ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''یا أیها الناس توبوا إلی الله، فإنی أتوب فی الیوم إلیه مائة مرة''(۲۷)

(اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو، میں بھی ہر روز اس سے سو بار توبہ کرتا ہوں۔)

۲- محاسبہ:

نفس سے حساب لینے اور اس کی نگرانی کرنے کو محاسبہ کہتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

''ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ'' (التکاثر:۸)

(پھر اس دن تم سے ضرور ضرور نعمتوں کا حساب لیا جائے گا۔)

چنانچہ صوفیا آخرت کے حساب سے پہلے ہی ہمہ وقت نفس کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں، تاکہ آخرت میں محاسبہ کے وقت شرمندگی نہ ہو، اور یہی سچی دانائی ہے۔رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''الکیس من دان نفسه، وعمل لما بعد الموت'' (۲۸)

(عقلمند اور دانا وہ ہے جو اپنے نفس کا اچھی طرح محاسبہ کرے، اور مرنے کے بعد

کے لیے عمل کرے۔)

۳- خوف:

مستقبل میں کسی ناپسندیدہ چیز کی توقع کی وجہ سے جو قلبی تکلیف ہوتی ہے اسے خوف کہتے ہیں۔ تصوف میں خوف کا درجہ بہت بلند ہے۔ کیوں کہ یہ عرفان خداوندی کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ'' (فاطر:۲۸)

(بے شک اللہ سے خوف کرنے والے اس کے عالم بندے ہی ہیں۔)

خوف خداوندی ایمان کی نشانی ہے:

''وَخَافُوْنَ إِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْن'' (آل عمران:۱۷۵)

(اگر ایمان والے ہو تو مجھ سے ڈرو۔)

خوف کا یہ مقام ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے لیے دو دو جنتیں ہیں دنیا میں جنت معارف، اور عقبیٰ میں جنت زخارف، ارشاد الٰہی ہے:

''وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَان'' (الرحمان:۴۶)

(جو اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔)

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''من خاف أدلج و من أدلج بلغ المنزل ألا إن سلعة الله الغالية ألا إن سلعة الله الجنة'' (۲۹)

(جس نے خوف کیا وہ اندھیرے منھ چل پڑا، اور جو اندھیرے منھ چل پڑا وہ منزل پر پہنچ گیا۔ یاد رکھو! متاع الٰہی بہت گراں ہے، یاد رکھو! متاع الٰہی جنت ہے۔)

۴- رجاء(امید):

یہ مقام مقامِ خوف کا متمم اور اس کی تکمیل کرنے والا ہے۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ: الإيمان بين الخوف والرجاء'' یعنی ایمان امید وبیم کے درمیان ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

''قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ، اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ'' (الزمر:۵۳)

(کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے خود پر ظلم کیا ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے، وہ بڑی مغفرت اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔)

اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں رجاء وامید رکھنی چاہیے اس لیے کہ وہ فرماتا ہے کہ:

''وَرَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ''(الاعراف:۱۵۵)

(یعنی میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔)

امام بیہقی نے سعید ابن مسیّب سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عمر مریض ہوئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے، اور پوچھا: ''اے عمر خود کو کیسا پا رہے ہو؟'' عرض کیا: امید بھی رکھتا ہوں اور ڈرتا بھی ہوں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ما اجتمع الرجاء والخوف فی قلب مومن إلا أعطاه الله الرجاء وآمنه (من) الخوف (۳۰)

(جب بھی کسی مومن کے دل میں امید اور خوف اکٹھا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مومن کی امید پورا فرماتا ہے اور اسے اس خوف سے امن رہتا ہے۔)

۵- صدق:

صدق سیر الی اللہ کا ایک اہم مقام اور احوال قلب میں سے ایک بلند مرتبت حالت ہے۔ صوفیاء کے نزدیک صدق کا تعلق عوام کی طرح صرف زبان سے نہیں ہوتا ہے بلکہ دل، اعمال اور احوال سے بھی ہے۔ تصوف میں صدق کی فضیلت واہمیت کتاب وسنت کا ہی اثر ہے۔ اللہ کی کتاب میں صدیقین کا درجہ انبیاء کے فورا بعد آیا ہے (النساء:۶۹) اور مومنین کو صادقین کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (التوبہ:۱۱۹)

شیخین رحمہما اللہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

''إن الصدق یهدی إلی البر وإن البر یهدی إلی الجنة '' (۳۱)

بیشک صدق نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لیجاتی ہے۔)

۶- اخلاص:

اخلاص خدا اور بندے کے درمیان ایسا راز ہے جس پر کوئی مطلع نہیں ہوتا ہے۔ تصوف میں اخلاص کا بلند مقام سنت و کتاب ہیں اس کے بلند مقام کا ہی پرتو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّیْنُ'' (الزمر:۱۱)

(کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کروں خالص اسی کا ہوکر۔)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''إن الله لا يقبل من العمل إلا ما كان له خالصا'' (۳۲)

(اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو۔)

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث ہے کہ:

''إن الله لا ينظر إلى أجسامكم ولا إلى صوركم ولكن ينظر إلى قلوبكم''(۳۳)

(اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے وہ بس تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔)

اخلاص اعمال کی روح ہے جس طرح کوئی جسم روح کے بغیر زندہ نہیں رہتا اسی طرح کوئی عمل اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوتا ہے۔

۷- صبر:

اللہ کے سوا کسی سے بھی تکلیف و مصیبت کی شکایت نہ کرنا صبر کہلاتا ہے، صبر وہ کسوٹی ہے جو سالکین طریقت کو کندن بناتی ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں صبر کی فضیلت کا بیان ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ صبر سے مدد مانگنے کا حکم دے رہا ہے، تو کہیں صابرین کے ساتھ اپنی معیت کا ذکر کر رہا ہے (البقرہ:۱۵۳)؛ کہیں صابروں کو بشارت دینے کا حکم دے رہا ہے (البقرہ: ۱۵۶)، تو کہیں صابروں سے اپنی محبت کا تذکرہ فرما رہا ہے (آل

عمران:۱۴۵)؛ کہیں صابروں کے بے حساب اجر دینے کا وعدہ کر رہا ہے (الزمر:۹)، تو کہیں انھیں سچا اور متقی ہونے کا تمغہ عطا کر رہا ہے۔ (البقرہ:۱۷۶)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا:

''ما أعطی أحد من عطاء خیراً و أوسع من الصبر'' (۳۴)

(صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع عطیہ کسی کو بھی نہیں دیا گیا۔)

۸- ورع:

حرام میں مبتلا ہونے سے خوف سے شبہات سے بھی بچنے کا نام ورع ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کے بغیر بندہ متقی نہیں ہوسکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''لایبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع مالا بأس به حذرا مما به بأس'' (۳۵)

(بندہ اس وقت تک متقیوں میں شامل نہیں ہوسکتا ہے جب تک وہ حرج والی چیزوں کے خوف سے غیر حرج والی چیزوں کو نہ چھوڑ دے۔)

صوفیا کے لیے اس سے بڑی کوئی سند اور مقام ورع کے لیے اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہوسکتی کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے بلند مرتبہ عبادت قرار دیا ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ:

''یا أبا هریره کن ورعا تکن أعبد الناس'' (۳۶)

(اے ابوہریرہ ورع اختیار کرو تو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے۔)

حضور کی انھیں تعلیمات کا اثر ہے کہ صوفیا کی کتابوں اور ان کے اعمال دونوں میں ورع کو بے حد نمایاں اور امتیازی مقام حاصل ہے۔

۹- زہد:

دل کو دنیا کی خواہش و محبت سے خالی کر کے اسے اللہ کی محبت و معرفت سے آباد

کرنے کا نام زہد ہے۔ زہد کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو نا قابل اعتناء سمجھے۔

مادہ پرستی کی یلغار اور اس کے تسلط کے اس دور میں کچھ لوگوں نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حقیر و نا قابل التفات سمجھنے کے صوفی رویے کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ اور اس کا رشتہ عیسائی رہبانیت اور عجمی تقشّف سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ساری تگ ودو کتاب وسنت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں دنیا کی تحقیر اور بے ثباتی کا ذکر ہے۔ کئی مقام پر دنیا کے مال ومتاع کو دھوکہ، فتنہ اور لہو ولعب قرار دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے: سورۃ الروم: ۶۰، العنکبوت: ۶۴، الکہف: ۴۷، وغیرہ۔

دوسری طرف شارع علیہ السلام کی تعلیمات میں نظری طور پر اور ان کی حیات طیبہ میں عملی طور پر دنیا ومتاع دنیا کی تحقیر ومذمت ملتی ہے۔ دراصل صوفیا کا زہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ انھیں نظری وعملی نمونوں سے ماخوذ ہے۔

کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ سے کہتے ہیں: ''فاتقوا الدنیا'' (۳۷) یعنی دنیا سے ڈرو، تو کبھی آپ حضرت ابن عمر کو دنیا میں اس طرح جینے کی تلقین کرتے ہیں جیسے مسافر ہوتا ہے: ''کن فی الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل'' (۳۸) کہیں دنیا کی بے وقعتی کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ''لو کانت دنیا تعدل عند الله جناح بعوضة ماسقی کافرا منها شربة ماء'' (۳۹) یعنی اگر دنیا اللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے بھی برابر ہوتی تو کسی کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی نہ ملتا؛ کبھی ننگی چٹائی پر لیٹنے سے جسم مبارک پر اثر ظاہر ہو جاتے تھے جب صحابہ عرض کرتے کہ: اے اللہ کے رسول آپ اس پر کوئی گدا وغیرہ کیوں نہیں ڈال لیتے تو مالک کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں یہ جواب دیتے:

''مالی والدنیا، ما أنا فی الدنیا إلا کراکب استظل تحت شجرة ثم راح وترکها'' (۴۰)

(مجھے دنیا سے کیا لینا دنیا، میں تو دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کو روکتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔)

۱۰- رضا:

تقدیر وقضا کی سختی پر دل کے سکون واطمینان کا نام رضا ہے۔ یہ مقام مقامِ صبر سے بلند ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں یہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عطا ہے۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (التوبہ:۷۲)

یعنی مالک جنت کی رضا جنت سے افضل ہے اور رضائے الٰہی پانے کے لیے پہلے اس کی قضا سے راضی ہونا پڑتا ہے۔ ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' (البینۃ:۸)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رضا کی اعلیٰ ترین مثال پیش کی ہے۔ اہل طائف نے جب آپ کو پتھروں سے لہولہان کر دیا تو آپ اپنے رب کو مخاطب کر کے انتہائی گریہ وزاری سے عرض کرتے ہیں:

''إن لم تكن ساخطا على فلا أبالى'' (۴۱)

(اے رب اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے۔)

ارشاد نبوی ہے:

''وارض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس'' (۴۲)

(جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھا ہے اس سے راضی ہو جاؤ تو سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔)

نبوی تعلیم کے مطابق اللہ سے راضی رہنے میں ہی انسان کی سعادت وخوشبختی ہے۔

''من سعادة ابن آدم رضاه بما قضى الله له'' (۴۳)

(ابن آدم کی خوشبختی اس میں ہے کہ وہ اپنے لیے اللہ کی بنائی تقدیر سے راضی رہے۔)

واضح رہے کہ تصوف میں رضا کا مطلب ترک اعتراض ہے، ترک کوشش نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں شام میں طاعون پھیلا تو آپ نے اسلامی فوجوں کو شام میں داخل ہونے سے منع کر دیا اس پر حضرت ابوعبیدہ نے کہا: ''أفرارا من قدر الله'' کیا آپ قضا وقدر سے بھاگ رہے ہیں۔ تو حضرت عمر نے کہا: اے ابوعبیدہ کاش کہ یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور نے کہا ہوتی: نحن نفر من قدر الله إلى قدره'' یعنی ہم تو اللہ کی

تقدیر سے اس کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔(۴۴)

۱۱- توکل:

توکل سیر الی اللہ کا ایک اعلیٰ مقام اور طریقت وتصوف کی بلند مرتبت منزل ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ رحمان کے نزدیک شرط ایمان ہے۔

''وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ'' (المائدہ:۲۳)

(اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔)

اللہ تعالیٰ متوکلین سے محبت کرتا ہے (آل عمران:۱۵۹) اور اس نے متوکلین کی کفالت کا وعدہ کیا ہے۔(الطلاق:۲۳)

ارشاد نبوی ہے:

''لو توكلتم على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير، تغدو خماصا وتروح بطانا''(۴۵)

(اگر تم لوگ اللہ پر کما حقہ توکل کرتے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جسے جیسے کہ پرندوں کو رزق دیتا ہے، جو صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔)

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شروطوں پر صحیح ہے۔ اگر چہ انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔(۴۶)

واضح رہے کہ صوفیا کے یہاں توکل کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے کیوں کہ سعی وعمل اور جد وجہد توکل کے منافی نہیں ہے۔ صوفیائے کرام کا توکل یہ ہے کہ ان کے لیے جو اللہ کے پاس ہے اسی پر بھروسہ ہو اور جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہو اس سے پوری طرح سے مایوسی ہو۔ تصوف میں ترک اسباب اور کوشش کو توکل نہیں بلکہ اسے ''توا کل'' کہتے ہیں جو اسلام کے منافی اور ایک مذموم صفت ہے۔ اگر کسی نے تصوف کے نام پر ''توا کل'' کو اپنایا ہے تو تصوف اس سے بری ہے۔

امام قشیری فرماتے ہیں:

"التوكل محله القلب، والحركة بالظاهر لا تنا في التوكل"(۴۷)

(توکل کا محل قلب ہے یعنی توکل دل سے ہوتا ہے اعضائے ظاہرہ کی حرکت

وکوشش توکل کے منافی نہیں ہے۔

بلاشبہ توکل کا یہ مفہوم حدیث نبوی ''اعقلها و توکل'' (۴۸) یعنی اونٹ کو باندھ کر پھر اللہ پر توکل کرو سے ماخوذ ہے۔

۱۲- شکر:

دل سے منعم کی محبت، اعضائے بدن سے اس کی اطاعت اور زبان سے اس کی ثناء ومدحت کا نام شکر ہے۔ اور شکر کی یہ تینوں قسمیں تصوف نے کتاب وسنت سے پائی ہیں۔

الف- شکر لسان:

ارشاد ربانی ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ:۱۱) یعنی اور اپنے رب کی نعمت تو اسے بیان کیجیے، اور ارشاد نبوی ہے: ''التحدث بنعمة الله شكر'' (۴۹) یعنی ذکر نعمت شکر نعمت ہے۔

ب- شکر ارکان:

اعضائے بدن سے اطاعت کر کے شکر ادا کیا جاتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

''اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ شُكْرًا'' (سبأ:۱۳) یعنی اے آل داؤد بطور شکر عمل کرو۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات میں اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتے تھے۔ ایک دن میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ یہ سب کیوں کرتے ہیں، آپ تو مغفرت یافتہ ہیں تو آپ نے فرمایا: ''أفلا أكون عبدا شكورا'' (۵۰) یعنی کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

ج- شکر جنان:

دل کا شکر یہ ہے کہ رویت نعمت رویت منعم کے لیے حجاب نہ بننے پائے، یعنی دل نعمت کے سبب منعم سے غافل نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے

''وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ '' (النحل:۵۳) تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"اللهم ما أصبح بی من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك" (۵۱)

(اے اللہ جو نعمت مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ سب منتہا اور بلاشرکت غیرے تیری ہی ہے۔)

یہ سرسری اور عاجلانہ مطالبہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ صوفیا اپنے تمام افکار ومعمولات میں کتاب وسنت کے پیرو ہیں۔ تصوف کا منہج عملی اور سلوک کے تمام منازل منبع تصوف مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے ہی ماخوذ ہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی طبقہ کتاب وسنت سے اس قدر قریب اور اس کی روح سے اتنا ہم آہنگ نہیں ہے جتنا کہ صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ بقول امام غزالی:

"إن الصوفية هم السالكون لطريق الله خاصة وإن سيرتهم أحسن السير، وطريقتهم أصوب الطرق، أخلاقهم أحسن الأخلاق، ..... فإن جميع حركاتهم وسكناتهم فی ظاهرهم وباطنهم مقتبسة من نور مشكاة النبوة ، و ليس وراء نور النبوة علي وجه الأرض نور يستضاء به "(۵۲)

(بے شک صوفیا ہی صحیح معنوں میں اللہ کے راہ پر چلنے والے ہیں ان کی سیرت سب سے بہتر سیرت ہے، انکا راستہ سب سے صحیح راستہ ہے، اور ان کا اخلاق سب سے بہتر اخلاق ہے،..... کیوں کہ ان کے ظاہر وباطن کی تمام حرکات وسکنات مشکاۃ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں، اور نور نبوت کے سوا دنیا میں کوئی ایسا نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جا سکے۔

☆☆☆

مصادرومراجع:

۱- صحیح البخاری، بارسوم؛ بیروت: دارابن کثیر، ۱۹۸۷ء، ۱:۲۸، وصحیح مسلم، بیروت: داراحیاءالتراث العربی، غیرمورخ (تحقیق: محمدفوادعبدالباقی)، ۳:۱۲۱۹۔

۲- صحیح مسلم، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ۴:۱۹۸۶۔

۳- شرح الرسالہ القشیریہ، مصر، مصطفیٰ بابی حلبی، غیرمورخ، ص/ ۷۔

۴- الانتصارلطریق الصوفیہ، مصر: مطبعہ دارالتالیف، غیرمورخ، ص/ ۶۔

۵- صحیح مسلم، ۱: ۳۷؛ وصحیح البخاری، ۱: ۲۷، ۴: ۱۷۹۳؛ وسنن الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی متوفی ۲۷۹ھ، بیروت: داراحیاءالتراث العربی، غیرمورخ (تحقیق: احمد محمد شاکر وغیرہ) ۶:۵؛ وسنن ابن ماجہ، محمد بن یزید قزوینی متوفی ۲۷۵ھ، بیروت، دارالفکر، غیرمورخ، ۱:۲۴، ۱:۲۵؛ ومسند ابوداؤد طیالیسی بصری متوفی ۲۰۴ھ، بیروت: دارالمعرفہ، غیرمورخ، ۱:۵؛ وسنن النسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب متوفی ۳۰۳ھ، باردوم؛ حلب: مطبوعات اسلامیہ، ۱۹۸۶ء (تحقیق: عبدالفتاح ابوغدہ) ۸:۱۰۲؛ وصحیح ابن حبان، محمد بن حبان تمیمی بستی متوفی ۳۵۴ھ، باردوم؛ بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۳ء ۱:۳۷۵؛ وصحیح ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق متوفی ۳۱۱ھ، بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۹۷۰ء، ۴:۵؛ ومصنف ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد متوفی ۲۳۵ھ، باراول؛ ریاض: مکتبۃ الرشید، ۱۴۰۹ھ، ۶:۱۵۷؛ و مسند احمد بن حنبل شیبانی متوفی ۲۴۱ھ، مصر مؤسسہ قرطبہ، غیرمورخ، ۱:۵۱، ۱:۳۱۹، ۲:۴۲۶، ۴:۱۲۹، ۱۶۱؛ ومسند البزار، ابوبکر احمد بن عمرو متوفی ۲۹۲ھ، بیروت: موسسۃ علوم القرآن، ۱۴۰۹ھ ۹:۴۱۹؛ والسنن الصغری للبیہقی، ابوبکر احمد بن حسین متوفی ۴۵۸ھ، مدینہ منورہ: مکتبۃ الدار، ۱۹۸۹ء، ۱:۲۴؛ ومورد الظمآن الی زوائد ابن حبان للہیثمی، علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ، بیروت: دارالکتب العلمیہ، غیرمورخ ۱:۳۵؛ ومجمع الزوائد للہیثمی، قاہرہ: دارالریان

للتراث، ۱۴۰۷ھ، ۱:۳۸؛ ومسند ابی حنیفہ للا صبہانی، ابونعیم، باراول؛ ریاض مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ، ۱:۱۵۲۔

۶- مسند ابی حنیفہ، ۱:۱۵۲۔

۷- السنن الکبری للنسائی، باراول؛ بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۱ء، ۳:۴۴۶؛ و مسند ابی داؤد طیالسی، ۱:۵۔

۸- شرح النووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف متوفی ۶۷۶ھ، بارسوم؛ بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ، ۱:۱۵۷۔

۹- شرح النووی، ۱:۱۵۸۔

۱۰- فتح الباری، بیروت: دارالمعرفہ، ۱۳۷۹ھ (تحقیق فوادعبدالباقی وغیرہ)، ۱:۱۲۰۔

۱۱- صحیح البخاری، کتاب الذبائح، ۵:۲۱۰۴؛ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، ۴:۲۰۲۶، عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ۔

۱۲- سنن الترمذی، کتاب الزھد، ۴:۵۸۹؛ وسنن ابی داؤد، سلیمان بن الاشعث سجستانی، متوفی ۲۷۵ھ، کتاب الادب، بیروت: دارالفکر، غیر مؤرخ، (تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید)، ۴:۲۵۹۔

۱۳- صحیح البخاری، کتاب الایمان، ۱:۱۵۔

۱۴- تفسیر قرطبی، باردوم، قاہرہ: دارالشعب، ۱۳۷۲ھ، ۱۳:۳۶۴۔

۱۵- بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء (تحقیق: عبدالسلام عبدالشافی)، ۴:۳۲۶۔

۱۶- التفسیر الکبیر، باراول؛ بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۵:۸۳۔

۱۷- روح المعانی، بیروت: داراحیاء التراث، غیر مورخ، ۲۱:۱۶۔

۱۸- ۴:۱۶۵۔

۱۹- صحیح ابن حبان، ۱۰:۴۸۴۔

۲۰- صحیح البخاری، کتاب الدعوات عن ابی موسی الاشعری، ۵:۲۳۵۳۔

۲۱- صحیح مسلم، کتاب الذکر، ۴:۲۰۶۱؛ وصحیح البخاری، کتاب التوحید، ۶:۲۶۹۴؛ وسنن الترمذی، کتاب الدعوات، ۵:۵۸۱۔

۲۲- سنن الترمذی،۴:۵۸۳۔
۲۳- ۴:۲۱۰۶۔
۲۴- سنن الترمذی،۵:۵۳۲۔
۲۵- صحیح مسلم، کتاب الایمان،۱:۱۴۴۔
۲۶- صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی،۱:۴۔
۲۷- صحیح مسلم،۴:۲۰۷۵۔
۲۸- سنن الترمذی، عن شداد بن اوس،۴:۶۳۸۔
۲۹- سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامہ، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ،۴:۶۳۳۔
۳۰- بیہقی، شعب الایمان، باراول، بیروت: دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۰ھ،۲:۵۔
۳۱- صحیح البخاری، کتاب الادب ۵:۲۲۶۱ (واللفظ لہ) وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، ۴:۲۰۱۳۔
۳۲- سنن النسائی،۶:۲۵۔
۳۳- صحیح مسلم،۴:۱۹۸۶۔
۳۴- ۲:۷۲۹۔
۳۵- سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامہ،۴:۶۳۴؛ وسنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، ۲:۱۴۰۹۔
۳۶- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد۲:۱۴۱۰۔
۳۷- صحیح مسلم، کتاب الذکر،۴:۲۰۹۸۔
۳۸- صحیح البخاری، کتاب الرقاق،۵:۲۳۵۸۔
۳۹- سنن الترمذی، کتاب الزہد،۴:۵۶۰۔
۴۰- سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن ابن مسعود،۴:۵۸۸۔
۴۱- الاحادیث المختارہ، ابومحمد عبدالواحد مقدسی، متوفی ۶۴۳ھ، باراول؛ مکہ المکرّمہ، مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ،۹:۱۸۱۔
۴۲- سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ،۴:۴۵۱۔

۴۳- سنن الترمذی، کتاب الزہد عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ،۴: ۴۵۵۔
۴۴۔ صحیح البخاری، کتاب الطب، ۵: ۲۱۶۳؛ وصحیح مسلم، کتاب السلام،۴: ۱۷۴۰۔
۴۵۔ سنن الترمذی، کتاب الزہد، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ،۴: ۵۷۳۔
۴۶- ابوعبداللہ محمد نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک علی الصحیحین، باراول؛ بیروت: دارالکتاب العلمیہ، ۱۹۹۰ء،۴: ۳۵۴۔
۴۷- الرسالہ القشیریہ، قاہرہ، مصطفیٰ بابی حلبی، ۱۳۳۰/ھ، ص/ ۷۶۔
۴۸- سنن الترمذی، عن انس ابن مالک رضی اللہ عنہ،۴: ۶۶۸۔
۴۹- مسند احمد، عن النعمان بن بشیر،۴: ۲۷۸۔
۵۰- صحیح مسلم، کتاب صفۃ المنافقین ۴: ۲۱۷۲؛ وصحیح البخاری، ۵: ۲۳۷۵؛ وسنن الترمذی،۲: ۲۶۸۔
۵۱- سنن ابی داؤد، عن عبداللہ بن غنام،۳: ۳۱۸۔
۵۲- المنقذ من الضلال، مصر: مطبعہ صبیح واولادہ، ۱۳۷۱ھ، ۱۳۲۔

☆☆☆